حقیقت

فریحہ منیر احمد

احمد ساتویں جماعت کا بہت اچھا اور ذہین طالب علم تھا۔ ہمیشہ اول پوزیشن لانا تو احمد کا فرض بن گیا تھا۔ وہ بہت کم گو تھا، اسی وجہ سے اس کا صرف ایک دوست تھا ''بلال''۔ احمد اور بلال ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ایک ہی گلی میں ان دونوں کے گھر تھے۔ ان کے امی ابو جانتے تھے کہ وہ دونوں بہت گہرے دوست ہیں، اور یہ بھی کہ احمد اور بلال بہت قابل اور ذہین بچے ہیں۔

احمد اور بلال جہاں سے بھی گزرتے سب طلباء ان کی دوستی پر رشک کرتے تھے۔ اچھا ذہن اور پیسوں کی فراوانی غرض ہر چیز ان دونوں کے پاس تھی۔ اظہر بھی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا جو ان دونوں کی دوستی سے خوش نہ تھا، وہ ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں رہتا جب انہیں نیچا دکھا سکے۔ اس دشمنی اور تلخی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ احمد کو اس اسکول میں داخل ہوئے ابھی بمشکل دو ہی سال ہوئے تھے، اور اوّل پوزیشن کی شیلڈ جو پانچ سال سے اظہر لیتا تھا اب احمد نے لینا شروع کر دی تھی، اور یہ بات اظہر کو ہرگز گوارہ نہیں تھی۔ نہ صرف یہ کہ اوّل پوزیشن کا حقدار احمد بننے لگا تھا بلکہ ان دو سالوں میں احمد کی تعریفیں بھی بہت ہونے لگیں تھیں اور ہر استاد اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا تھا۔

چھٹیوں کے بعد آج اسکول میں پہلا دن تھا۔ سب بچے اپنا اپنا گرمیوں کا کام لے کر آئے

تھے اور باری باری تمام پیریڈز میں اساتذہ کے حوالے کر رہے تھے۔ اب سر عمران کا پیریڈ۔ سر عمران تو بقول اظہر کے، احمد کے ابا کے دوست تھے کیونکہ وہ احمد کی کچھ زیادہ ہی تعریف کرتے تھے جو اظہر کو ہرگز گوارہ نہ تھا۔

''لو اب آ گیا ان ٹیپ ریکارڈر کا پیریڈ۔'' اظہر نے طنزیہ انداز میں خود کلامی کی۔

''السلام علیکم بچو!'' سر عمران نے کلاس میں داخل ہو کر باوازِ بلند سلام کیا۔

''سر کیسے ہیں آپ؟'' یہ احمد تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ لوگ سنائیں کیسے گزرے آپ کے فراغت کے دن۔ آپ لوگ اپنا ہوم ورک تو ساتھ لائے ہیں ناں؟''

''جی جی سر، بالکل ہم سب ساتھ لائے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے طالب علموں نے اپنا ہوم ورک دینا شروع کر دیا۔

''ارے بھئی احمد! آپ نے تو بہت اچھے طریقے سے اپنا کام کیا ہے، ایسا کام تو پوری جماعت میں کسی نے نہیں کیا۔'' سر عمران نے احمد کی تعریف بہت اپنائیت سے کی۔

''بس شروع ہو گئے۔'' اظہر نے اپنے دوست کے کان میں سرگوشی کی۔ ''ارے یار! تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس احمد کے بچے کا دماغ کیسے درست کروں؟ وہ بہت دماغ خراب کر رہا ہے۔'' اظہر نے اپنی پریشانی کا اظہار اپنے برے دوستوں سے کیا۔

اظہر ویسے تو بہت اچھا بچہ تھا لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی دوستی جن لڑکوں سے ہوئی تھی وہ بہت برے تھے۔ گھروں میں بمشکل رات گزارتے تھے اور اکثر جیب خرچ نہ ہونے کے

باعث چوری وغیرہ بھی کر لیتے تھے۔اظہر بھی اپنے ان دوستوں کی صحبت میں رہ کر ایسا ہو گیا تھا کہ پڑھائی میں اس کا دل نہیں لگتا تھا اور وہ اس کی وجہ ''احمد'' کو گردانتا تھا۔

''ابے میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں۔'' اظہر نے اپنے دوست کو ٹھوکر ماری۔

''بھائی میں تو بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس کو بھی اپنا دوست بنا لو اور ہم سب جو کام کر رہے ہیں اس کو بھی اس میں پھنسا لیتے ہیں۔ پھر دیکھیں گے کیسے لاتا ہے وہ فرسٹ پوزیشن۔'' ہمایوں نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے واہ یار! تُو تو بڑا سمجھدار ہو گیا ہے۔چل آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے، ابھی چلتے ہیں اس کے پاس۔'' اظہر نے کہا۔

.....☆.....

''احمد! بھئی واہ، تم تو بڑے چھائے ہوئے ہو۔'' اظہر نے مسکراتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں... نہیں... وہ بس ایسے ہی۔'' احمد کچھ گڑبڑا سا گیا تھا، کیونکہ اظہر نے اس سے کبھی ایسے دوستانہ لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

یہ ابتدا تھی۔اس کے بعد تو جہاں احمد جاتا، وہیں اظہر بھی آ جاتا۔ بلال کو اظہر بالکل پسند نہیں تھا اور اس نے دوست کی حیثیت سے احمد کو سمجھانے کی کوشش بھی کی، مگر احمد پر تو جیسے کوئی جادو کر دیا تھا اظہر نے۔اس نے بلال کو صاف صاف کہہ دیا کہ اگر مجھ سے دوستی قائم رکھنی ہے تو اظہر کے ساتھ بھی دوستی کرنا پڑے گی۔ بلال کو سخت صدمہ پہنچا تھا کہ احمد جو اس کا اتنا ''اچھا اور

گہرا'' دوست تھا وہ کن لغویات میں پڑ گیا تھا۔ بلال نے احمد کو بہت سمجھایا کہ وہ یہ سب کچھ چھوڑ دے، لیکن احمد اپنی بات پر مُصر تھا کہ اظہر بہت اچھا بچہ ہے۔ بالآخر بلال نے احمد کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ وقت آنے پر وہ سب سمجھ جائے گا۔

دن یونہی گزرتے گئے۔ احمد اور اظہر کی دوستی بہت پکی ہوگئی، اور اظہر نے احمد کو ان سب غلط کاموں میں لگا دیا تھا جو وہ کبھی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ امتحانات سر پر تھے لیکن احمد کو کوئی پروانہ تھی اور وہ اب بھی اپنا وقت فضول کاموں میں صرف کرتا تھا۔

وقت پر لگا کر اڑتا چلا گیا اور وہ رات آ گئی جب اگلے دن احمد کا حساب کا پیپر تھا۔ اظہر نے اس کو جب گھر چھوڑا تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ احمد نے پڑھنے کے لیے کتاب نکالی تو نیند نے اس کو آ لیا اور وہ سو گیا۔

صبح الارم سے اس کی آنکھ کھلی تو یاد آیا کہ اس کا آج حساب کا پیپر ہے اور اس نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔ وہ روتی صورت بنا کر اظہر کے پاس گیا اور کہا کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے تو کچھ پڑھا بھی نہیں ہے۔

''کوئی بات نہیں، یہ پیپر ہے ناں، اسے تم اپنے ساتھ رکھو اور امتحان کے وقت کھول کر دیکھ لینا۔'' اظہر نے بڑے آرام سے اور سادہ الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ تم نقل کر لینا۔

احمد نے وہ پیپر تھاما اور بوجھل قدموں سے چل دیا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا، مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ احمد کو ایک سوال کا جواب نہیں آ رہا تھا، وہ بہت دیر سے سوچ رہا تھا

کہ پیپر نکالے، لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، مگر سر عمران پیچھے مڑے تو اس نے ہمت کر کے نکال ہی لیا۔ ابھی وہ کھول کر دیکھنا ہی چاہ رہا تھا کہ سر عمران کی نظر اس پر پڑی۔

''یہ کیسا پیپر ہے آپ کے ہاتھ میں؟'' سر عمران کی حیرت زدہ آواز نے کمرۂ امتحان کے سکوت کو توڑا۔

''کچھ... نہیں... س... ر... سر وہ...'' احمد کے پاؤں تلے سے گویا زمین ہی نکل گئی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ رگوں میں دوڑتا خون منجمد ہو گیا۔ دسمبر کی ٹھنڈی صبح میں اس کو پسینے آنے لگے تھے۔

''مجھ کو دیں یہ پیپر۔'' سر عمران نے اس کے ہاتھ سے پیپر کھینچا۔

بلال بھی اس کو دیکھنے لگا اور اظہر کی تو دلی مراد پوری ہو گئی تھی کہ احمد کو نقل کرتے ہوئے کوئی پکڑے اور اس کی عزت مٹی میں مل جائے۔ پکڑ لیا اور وہ بھی سر عمران نے جو اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔

''آپ نقل کر رہے ہیں احمد سلمان! مجھے آپ سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی۔ آپ تو اتنے لائق بچے تھے! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' سر عمران کے لہجے میں پریشانی تھی یا حیرت... احمد سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپ چلیں میرے ساتھ پرنسپل کے آفس۔'' سر عمران نے کسی اور ٹیچر کو بلایا اور اس کو لے کر چل دیئے۔

اس وقت احمد کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسو نکل رہے تھے، چہرہ

ندامت سے جھکتا جا رہا تھا اور اب اتنا جھک گیا تھا کہ وہ اٹھانا بھی چاہتا تو نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کے اندر معافی مانگنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ وہ بچہ جو اسکول کا سب سے اچھا مقرر تھا، جس کے پاس الفاظ ہی الفاظ ہوتے تھے آج معافی کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا مگر کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔

سر عمران اسے پرنسپل کے پاس لے جانے کے بجائے اپنے آفس میں لے آئے تھے۔ وہ ایک سمجھدار استاد تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ خود اس سے پوچھیں کہ آخر ''ان'' کچھ دنوں میں اتنا لائق، ذہین اور ذمہ دار بچہ اتنا غیر ذمہ دار کیوں ہو گیا ہے!

''بیٹھیے'' سر عمران نے کہا۔

ان کے سامنے وہ طالب علم سر جھکائے، آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھا تھا جو کبھی ان کا پسندیدہ طالب علم ہوا کرتا تھا اور جس کی وہ تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، آج وہی نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔

''میں آپ سے کوئی اِدھر اُدھر کی بات نہیں کروں گا، صرف ایک سوال پوچھوں گا، آپ نے نقل کیوں کی؟'' انہوں نے کافی دوٹوک انداز میں پوچھا تھا۔

اس کے جواب میں احمد نے اظہر کے ساتھ دوستی کا بتایا اور وہ سب کچھ جو رات بارہ بجے تک اس نے کیا اور صبح کا واقعہ بھی۔ سر عمران نے کافی سوچ بچار کے بعد صرف ایک جملہ کہا:

''بیٹا کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے ہوتے ہیں۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔''

اس ایک جملے میں بہت سی نصیحتیں، بہت ساری گزارشات، بہت سارے احکامات چھپے

ہوئے تھے، اس کے علاوہ اور بہت کچھ جو احمد کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ گھاس پہ بیٹھا سر عمران کے کہے گئے اس ایک جملے پر ہی غور کر رہا تھا کہ اسے سامنے سے بلال آتا نظر آیا۔ بلال یہ سوچ لے کر آیا تھا کہ آج کے واقعہ کے بعد تو احمد ضرور سمجھ جائے گا۔ ''احمد کیا سوچ رہے ہو؟''

''نہیں کچھ نہیں، بس ویسے ہی۔''

''میرے دوست! امتحانوں میں تو کم از کم اظہر کا ساتھ چھوڑ دو۔ ارے میرے بھائی وہ تمہارا خیر خواہ نہیں دشمن ہے۔ وہ تمہیں ان سب فضول کاموں میں لگا کر پیچھے کرنا چاہتا ہے۔ میرے بھائی تم سمجھ رہے ہو ناں؟'' بلال نے اس کو بڑے دوستانہ لہجے میں سمجھایا۔

''ہاں بلال میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ اظہر نے کیا سازش کی تھی۔ لیکن تم پریشان مت ہو، آج سے میری اور اظہر کی دوستی ختم اور احمد اور بلال کی دوستی شروع... تو پھر گلے لگ جائیں۔'' احمد نے ہنستے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔

.....☆.....

''اور ساتویں جماعت میں اوّل پوزیشن کے حقدار ٹھیرے ہیں احمد سلمان''۔

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ سر عمران کے چہرے پر پھر سے وہی خوشی اور رونق آ گئی تھی جو کچھ دنوں سے کہیں کھو چکی تھی۔ ان کی چشمے سے جھانکتی کالی سیاہ آنکھوں میں پھر سے وہی چمک در آئی تھی جو ان کے بارعب چہرے کی شان ہوا کرتی تھی۔ (بشکریہ: روزنامہ جسارت)

(Jasarat Magazine, May 13, 2013)